تبصرہ: محمد عمر فاروق

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ (سوانح و افکار):

حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی ہفت پہلو شخصیت کو بہت سے اہلِ قلم نے موضوعِ سخن بنایا۔ حضرت کی زندگی میں ہی ممتاز مصنف، شاعر اور ادیب جناب خان غازی کابلیؒ (اصلی نام: حبیب الرحمٰن خان) نے ۱۹۴۰ء میں ''حیاتِ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ'' کے عنوان سے ان کی پہلی سوانح حیات قلم بند کی۔ خان کابلیؒ نے شاہ جیؒ کے شخصی حالات سے زیادہ ملی کارناموں کو مقدم رکھا اور انتہائی سادہ مگر پُر وقار اسلوب میں ان کی حیات مبارکہ کے اہم گوشوں کو اپنے رواں دواں قلم سے صفحۂ قرطاس کی زینت بنایا۔ حضرت امیر شریعتؒ کی دوسری سوانح عمری صحافیٔ احرار حضرت آغا شورش کاشمیری مرحوم نے ''سید عطاء اللہ شاہ بخاری'' کے نام سے لکھی جو حضرت کی زندگی میں ہی (۱۹۵۶ء میں) شائع ہوئی۔ یہ کتاب زبان کی عمدگی اور اسلوب کی رعنائی کے اعتبار سے حضرت شاہ جیؒ پر لکھی جانے والی تمام سوانحی کتب پر فوقیت رکھتی ہے۔ چونکہ آغا شورش اصلاً صحافی تھے اس لیے وہ اپنی اس کتاب میں شاہ جی کی شخصیت پر تبصرے یا تجزیہ نگاری سے آگے نہیں بڑھ سکے۔ البتہ جانباز مرزاؒ کی کتاب ''حیاتِ امیر شریعت'' کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس کتاب میں فنِ سوانح نگاری کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ ''حیات امیر شریعت'' اپنی بعض فنی کمزوریوں کے باوجود سوانح نگاری کا عمدہ نمونہ ہے۔ خان غازی کابلی، شورش کاشمیری اور جانباز مرزا میں بطورِ سوانح نگار ایک بات قدرِ مشترک ہے کہ ان تینوں اربابِ قلم نے شاہ جیؒ کا زمانہ ہی نہیں پایا ' بلکہ اپنی زندگیوں کا ایک طویل حصہ ان کی معیت میں بسر کیا' انہیں براہِ راست معلومات حاصل ہوئیں اور وہ خود بھی شاہ جیؒ کے حوالے سے اتھارٹی کی حیثیت اختیار کر گئے۔ دوسرے یہ کہ شاہ جیؒ پر قلم اٹھاتے ہوئے اِن حضرات نے ان کی شخصیت کے انفرادی اور اجتماعی پہلوؤں کی عظمت کو ملحوظ رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کی تحریر کردہ سوانح عمریاں پڑھ کر شاہ صاحب کی شخصیت کے عظیم ہونے کا احساس مزید بڑھ جاتا ہے۔

خان کابلی، شورش اور جانباز مرزا کے بعد حضرت شاہ جی کے متعلق جتنی بھی تحریریں اشاعت پزیر ہوئی ہیں' ان میں کوئی تنوع نظر نہیں آتا بلکہ وہ انہی سوانح نگاروں کی تخلیقات ہی کا پرتو دکھائی دیتا ہے۔

زیرِ تبصرہ کتاب ''سید عطاء اللہ شاہ بخاری' سوانح افکار'' کے مرتب مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی ہیں جو مجلس تحفظ ختم نبوت کے مبلغ ہیں۔ وہ اس سے پیشتر بھی کئی کتابیں مرتب کر چکے ہیں۔ مولانا موصوف کی یہ کتاب (طبع اگست ۲۰۰۴ء) ان کی اپنی تصنیف یا تالیف نہیں ہے بلکہ حضرت شاہ جیؒ پر لکھے گئے مختلف لکھاریوں کے مضامین کا ایک منتخب مجموعہ ہے۔ چونکہ مولانا کی ابھی تک کوئی اپنی تخلیق منظر عام پر نہیں آئی اور تا حال انہوں نے دوسروں کے مضامین کو ہی اپنی کتابوں میں ترتیب دیا ہے اس لیے ان کے اسلوبِ تحریر پر بحث نہیں کی جا سکتی۔ البتہ زیرِ بحث کتاب کا تفصیلی جائزہ لینے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ مرتب کا ذوقِ اصولِ تحقیق اور حسنِ ترتیب و تبویب سے ہرگز لگا نہیں کھاتا۔ بلکہ وہ اپنے پیشرو ''شاہین ختم نبوت'' مولانا اللہ

© rasailojaraid.com

وسایا کی پیروی میں ''حضرت ......! لکھتے ہیں'' سے آغاز کرتے ہیں اور آخر میں حوالہ دیئے بغیر تحریر کا خاتمہ بلکہ دھڑن تختہ کر ڈالتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مضمون نگار کا پتا چلتا ہے اور نہ ہی اس کے ماخذ کا علم ہو پاتا ہے۔

مولانا شجاع آبادی کو اعتراف ہے کہ ''بندہ نے شاہ جیؒ کی زیارت کی اور نہ ہی (انہیں) سنا اور اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتا تھا کہ شاہ جی پر قلم اٹھاؤں۔'' (ص ۳۱)۔ اس کے باوجود انہوں نے ایک دوست کی فرمائش پر قلم اٹھایا۔ اگر ان کا یہ معاملہ کسی عام فرد کے ساتھ ہوتا تو سیکڑوں دوسرے مبتدیوں کی طرح انہیں بھی نظر انداز کر دیا جاتا لیکن یہاں تو برعظیم پاک و ہند ہی نہیں بلکہ اپنے عہد میں دنیا کے مانے ہوئے خطیب اعظم کی ذات والا صفات کو تختۂ مشق بنایا گیا ہے' اس لیے مرتب اور ناشر کتاب کو معذور ہرگز نہیں سمجھا جا سکتا۔ فاضل مرتب اگر خلوص پر کلی انحصار کی بجائے کسی صاحبِ علم سے اس کتاب پر نظر ثانی کرا لیتے تو شاید بات بن جاتی۔

اس کتاب میں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے خطبات بھی اکٹھے کیے گئے ہیں لیکن اکثر تقریروں کے سن، تاریخ، مقاماتِ تقریر اور ان خطبات کے مآخذ درج کرنے کا اہتمام نہیں کیا گیا۔ ایک ایسی کتاب جو اوّل تا آخر مختلف اہل قلم کی پہلے سے چھپی ہوئی تحریروں ہی کا مجموعہ ہے' اس میں مضمون نگاروں کے نام نہ لکھنے میں نہ جانے کونسی مصلحت برتی گئی ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں: ص ۱۵۳ ''شاہ جی کی معرکہ آرائیاں'' ص ۲۵۳ ''لیگ سے اختلاف و اتفاق۔ شاہ جی کا نقطہ نظر'' خط بنام مولوی نذیر حسین کہیں حوالہ درج نہیں۔ کتاب کے صفحہ ۲۲۱ پر بنتِ امیر شریعت محترمہ سیدہ ام کفیل بخاری مدظلہا کا ایک مضمون نقل کیا گیا ہے لیکن ان کے نام کی صراحت نہ ہونے سے یہ تحریر عجیب مضحکہ خیز صورت اختیار کر گئی ہے۔ یہی صورت حال ''خانقاہ سراجیہ کا نسخہ'' ص ۱۶۰ پر ہے۔ صفحہ ۳۰۶ اور صفحہ ۳۰۷ پر درج منظومات پر بطور شاعر جانباز مرزا اور سید عبدالحمید عدم کے نام غائب ہیں۔ صفحہ ۳۱ پر شاہ صاحب کی تاریخ ولادت ۱۸۹۲ء جبکہ صفحہ ۴۱ پر ۱۸۹۱ء درج کی گئی ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ مرتب نے خود بھی کتاب کا مطالعہ کرنا گوارا نہیں کیا۔ محترم مولانا شجاع آبادی نے ''مجلس تحفظ ختم نبوت'' کے قیام کا سن صفحہ ۲۵۴ پر جنوری ۱۹۴۹ء، صفحہ ۲۶۰ پر نومبر ۱۹۴۹ء، صفحہ ۲۷۸ نیز صفحہ ۳۹ پر ۱۹۵۴ء لکھا ہے۔ اور پھر مجلس تحفظ ختم نبوت کی ولادت باسعادت کی تاریخ معلوم کرنے کے لیے جنم پتری، جسٹس منیر کی انکوائری رپورٹ سے نکالی ہے۔ اس تضاد کو کیا کہیے اور اس تحقیق کو کیا نام دیا جائے۔ صفحہ ۴۰ پر مجلس احرار کے احیاء (۱۹۵۸ء) کا عمداً ذکر نہیں کیا گیا۔ صفحہ ۲۵۳ پر مولوی نذیر حسین (پنوں عاقل سندھ) کے نام شاہ جی کا خط اس لیے شامل نہیں کیا کہ اس سے احرار کی بقا وابستہ ہے۔ کتابت اور املاء کی اغلاط کے تذکرہ کی یہاں گنجائش ہی نہیں ہے' ورنہ ان نوادر سے بھی قارئین کو ضرور محظوظ کیا جاتا۔

وہ تمام حضرات جو آج کل تحریک تحفظ ختم نبوت سے متعلق تاریخی اور سوانحی عناوین پر اندھا دھند کرم فرمائیاں کر رہے ہیں' اس تبصرے کے توسط سے ان سب کی خدمت میں دست بستہ گزارش ہے کہ وہ اگر علم و تحقیق کی دنیا پر کوئی احسان کرنا ہی چاہتے ہیں تو اس کے لیے اصولِ تحقیق و تدوین کا باقاعدہ مطالعہ فرمائیں اور اگر وہ اسے مناسب خیال نہیں کرتے تو پھر اپنے ذوق کی تسکین کے لیے کسی اور میدان کی راہ لیں۔ کم از کم نئی نسل تک تاریخ کی درست معلومات پہنچائیں' انہیں گمراہ نہ کریں۔ اکابرِ احرار پہلے ہی بہت سوں کا نشانۂ ستم ہیں۔ ان کی روحوں کو مزید نہ تڑپایئے۔

صفحات: ۵۹۲، قیمت: ۲۲۰ روپے اور ناشر: عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت حضوری باغ روڈ ملتان ہے۔

© rasailojaraid.com